فانی بدایونی

(شخصیت، شاعری اور منتخب غزلیں)

.... ترتیب وتہذیب....

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

------پبلشر------

رحمانی پبلیکیشنز

1032 انصار روڈ، ڈاکٹر سراج احمد کے دواخانے کے سامنے، اسلام پورہ،

مالیگاؤں، مہاراشٹر Mob : 9890801886 / 9270704505

(C) جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	فانی بدایونی (شخصیت، شاعری اور منتخب غزلیں)
مرتب	:	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
کمپوزنگ	:	شاہد اختر، حرا کمپیوٹرس، مالیگاؤں
صفحات	:	40
تعداد	:	سات سو
سن اشاعت	:	2014ء
طباعت	:	الحمد آفسیٹ پریس، مالیگاؤں
قیمت	:	30/-

----- Publisher-----

Rahmani Publication

1032,Islampura,Malegaon-423203(Dist-Nasik)

Mob : 9890801886 / 9270704505

(C) All rights reserved with Publisher.

عرضِ ناشر

رحمانی پبلی کیشنز مالیگاؤں اب محتاجِ تعارف نہیں رہا جس نے ادبِ اطفال پر مختصر سے عرصے میں سیکڑوں کتابیں شائع کیں اور انہیں ملک بھر میں پھیلا دیا اس ادارہ نے ہندوستان کے مشہور و معروف قلمکار اور ادبا کی کتابیں شائع کیں اور مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں طبع کیں۔ مزید یہ کہ تاریخی شخصیات پر بھی بچوں کے معیار کے مطابق کتابیں شائع کرنے کا بیڑہ بھی اٹھا رکھا ہے۔ تاریخی شخصیات میں بہت سی شخصیات پر یا تو بہت ضخیم کتابیں دستیاب ہیں یا پھر بہت سی اہم شخصیات کے متعلق انتہائی مختصر تذکرے ملتے ہیں۔ ہمارے ادارے نے ملک بھر کے نامور قلمکار اور ماہر ادیبوں سے رابطہ کیا۔ اور منتخب شخصیات پر لکھنے کی ذمہ داری ڈالی۔ الحمدللہ! بہت کم عرصے میں اب تک سیکڑوں شخصیات پر کتابیں منظر عام پر آگئیں۔ اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اردو ادب بالخصوص زبان کی خدمت کرنے والے ہمارے ماضی کے شعرا و ادبا کی حیثیت تاریخی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے اپنی نظموں، غزلوں، گیتوں، کہانیوں، افسانوں اور مضامین کے ذریعے اردو زبان و ادب کے فروغ میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے وہ جگ ظاہر ہے۔ ادارے نے یہ طے کیا ہے کہ تاریخی شخصیات سیریز کے ذیل میں ایک ضمنی کڑی شروع کرتے ہوئے ان شاعروں اور ادیبوں کے تعارف اور ان کے منتخب کلام کو بھی منظرِ عام پر لایا جائے۔

لہٰذا کلاسیکل شعرا کے تعارف اور ان کے منتخب کلام پر مشتمل یہ سیریز پیش کی جارہی ہے۔ تاریخی شخصیات سیریز کی طرح مرتبین کے تبصرے و تجزیے پر آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں لیکن اس سلسلے کی اہمیت کا انکار شاید نہ کر سکیں۔ ضروری نہیں کہ مرتبین کے تمام تبصروں اور تجزیوں سے ہمارا ادارہ اتفاق رکھے۔ بہر کیف سبھی مرتبین مبارکباد کے مستحق ہیں۔

شاعروں اور ادیبوں میں چند قابل ذکر امیر خسرو، داغ دہلوی، مولانا اسماعیل میرٹھی، امیر مینائی، مولانا حسرت موہانی، آتش لکھنوی، فانی بدایونی وغیرہ ہیں۔

ہمارے ادارے نے اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور وطن عزیز کے نونہالان کے لیے اردو کے گراں قدر جواہر پاروں کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ لہٰذا سرپرست و اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے ہاتھوں تک ان کتابوں کو پہنچائیں اور انہیں ان کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں، تا کہ نئی نسل بھی اردو کے کلاسیکل شاعروں اور ان کے کلام سے واقف ہو سکے۔

ناشر

فانی بدایونی اور ان کی شاعری

(پیدائش: 1879ء/ وفات: 1941ء)

شوکت علی فانی 1879ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ فانی کے والد محمد شجاعت علی خان محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ روش زمانہ کے مطابق پہلے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی پڑھی اور 1901ء میں بریلی سے بی اے کیا۔

کالج چھوڑنے کے بعد کچھ عرصہ پریشانی کے عالم میں گزارا۔ لیکن شعر و سخن کی دلچسپیاں ان کی تسلی کا ذریعہ بنی رہیں۔ 1908ء میں علی گڑھ سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا لیکن وکالت کے پیشے سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ صرف والد کے مجبور کرنے پر وکالت شروع کی اور کچھ عرصہ بریلی اور لکھنو میں پریکٹس کرتے رہے۔ لیکن قانون سے لگاؤ نہ ہونے کی وجہ سے بہ حیثیت وکیل کامیاب وکیل ثابت نہ ہوئے۔

مجموعی طور سے فانی کی زندگی پریشانی میں گزری۔ لیکن جس وقار اور فراخ دلی کے ساتھ انہوں نے مصائب کو برداشت کیا وہ انہی کا کام تھا۔ ان کی اس پریشان حالی سے متاثر ہو کر مہاراجہ حیدر آباد نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور اسٹیٹ سے تنخواہ مقرر کر دی۔ پھر وہ محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے اور ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اسی اثنا میں رفیقۂ حیات فوت ہو گئیں۔ 1933ء میں جواں سال بیٹی کا انتقال ہو گیا۔ جس سے فانی کے دل کو ٹھیس لگی۔ آخر کار ساری زندگی ناکامیوں اور مایوسیوں میں بسر کر کے 1941ء میں وفات پائی۔

فانی بدایونی کی شاعری

فانی وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہے
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

فانی "یاسیت کے امام" مانے جاتے ہیں۔حزن و یاس اُن کے کلام کا جزوِ اعظم ہے۔ سوز وگداز جو غزل کی روح ہے اس کی جلوہ فرمائی یا تو میرؔ کے یہاں ہے یا فانی کے یہاں۔فرق صرف یہ ہے کہ میرؔ کے غم میں ایک گھٹن سی محسوس ہوتی ہے۔اور فانی کا غم لذّت بخش ہے۔میرؔ کے یہاں نشاطِ غم کا عنصر نمایاں ہے۔فانی کو مرگھٹ کا شاعر یا قبرستان کا مجاور کہنا حد درجہ ناانصافی ہے۔ ہاں وہ موت کا شاعر ضرور تھا۔مگر موت ہی اُس کے نزدیک سرچشمۂ حیات بن گئی تھی۔غم نے نشاط کا روپ اختیار کرلیا تھا۔لذّتِ غم سے اُس کا کلام معمور نظر آتا ہے۔یہ اُس کے فن کا کمال ہے کہ انسان غم سے فرار نہیں چاہتا بل کہ غم میں ایک ابدی سکون اور سرور پاتا ہے۔زندگی کی نامرادیوں میں وہ دردؔ اور میرؔ کا ہمنوا ہے۔

میر: ع ہم نے مر مر کے زندگانی کی

درد: ع ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

فانی: ع زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

بہ قول مجنوں گورکھپوری: "فانی کی شاعری کو "موت" کی انجیل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"

بہ قول خواجہ احمد فاروقی: "غمِ عشق اور غمِ روزگار نے مل کر دل کو آتش کدہ بنا دیا تھا یہی آگ کے شعلے زبانِ شعر سے نکلے ہیں اُن کی شاعری کا عنصرِ غالب غم واندوہ ہے لیکن یہ غم روایت نہیں صداقت ہے۔"

فانی بدایونی نے 12 اگست 1941ء کو حیدرآباد میں وفات پائی۔انتقال کے وقت اُن کی عمر 62 برس تھی اگر اُن کی شاعری پر نظر ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی موت بہت پہلے

واقع ہو چکی تھی۔یا واقع ہونا شروع ہو چکی تھی۔اور یہ باسٹھ سال ایک مرگِ مسلسل کی طرح گزرے ہر لمحہ انہیں موت کا انتظار تھا۔

فانی کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یا رب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

فانی کا اصل نام شوکت علی خان تھا۔شوکت تخلص ہوسکتا تھا۔لیکن انہوں نے فانی تخلص رکھ کر اس خواہش کی تسکین کا سامان کیا۔جب کبھی ہم کو دامن بہار سے عالم یاس میں بوئے کفن آتی ہے تو فانی کی یاد آتی ہے۔کیوں کہ انہوں نے موت ہی کو "زندگی جانا تھا اور غم کو موضوع بنایا تھا۔بہ قول آمدی:" فانی ایک زندہ جنازہ ہیں جن کو یاس والم اپنے ماتمی کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔"

ڈاکٹر سلام سندیلوی "اپنی کتاب "مزاج اور ماحول' میں فانی کی غم و یاسیت کے متعلق لکھتے ہیں:" فانی زندگی بھر گلشنِ ہستی کو مغموم نگاہوں سے دیکھتے رہے اور نسترن کو کافور وکفن سمجھتے رہے۔ اُن کی شاعری کی تخلیق اشکِ شبنم اور خونِ حنا سے ہوئی ہے۔وہ زندگی بھر آہیں بھرتے رہے۔اور مرتے دم تک سسکیاں لیتے رہے۔فانی کو محض غم و یاس کی بدولت رفعت وعظمت حاصل ہوئی ہے اسی وجہ سے اُن کو" یاسیت کا امام" کہا جاتا ہے۔"

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شائد
کچھ آج بوئے کفن دامن بہار میں ہے

فانی غم ہی کو زندگی تصور کرتے تھے۔اور فانی اس طرح زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔جو اُن کی تمناؤں سے ہم آہنگ نہ تھی ان کی شخصیت چیختی تھی، دماغ احتجاج کرتا تھا۔دل بغاوت کرتا تھا۔ہڈیاں چٹختی تھیں لیکن زمانے کی گرفت ڈھیلی نہ ہوتی تھی۔کون جانتا ہے کہ فانی کو اپنے حالات نے جبر کا قائل بنا دیا ہے۔اس زندگی سے صرف موت ہی نجات دلاسکتی تھی، کہتے ہیں۔

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

آج روز وصالِ فانی ہے
موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز
جب دیکھیے جی رہا ہے فانی
اللہ رے اس کی سخت جانی

اوراس کے سینکڑوں اشعار زندگی کو موت میں تبدیل کر لینا زندگی کو موت سمجھنا، مرنے سے پہلے مرجانا۔ یہ سب اُس خواہش مرگ کے پہلو ہیں جس کی وجہ سے فانی کا غم گہرا اور فلسفیانہ ہے۔

موت، کفن، قبر اور میت :۔

فانی کی شاعری جس چیز کے بارے میں مشہور ہے اور جو ان کی پہچان بن گئی ہے۔ وہ فانی کی شاعری میں موت، کفن، قبر اور میت کا استعمال ہے۔ فانی ان ڈراونی چیزوں کو بہت بے جگری کے ساتھ دل میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اور موت، کفن، قبر اور میت کو ایک خوب صورت چیز بنا دیتے ہیں وہ اس میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور ان کے درمیان سکون واطمینان تصور کرتے ہیں۔ بہ قول دردؔ گورکھپوری: "فانی موت اور حیات کے درمیان ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہے موت نے جب آنکھیں دکھائیں تو حیات کی طرف پلٹے اور جب حیات نے پریشان کیا تو موت کو آواز دی۔"

چلے بھی آؤ وہ ہے قبرِ فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ
سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے
شب فرقت کٹی یا عمر فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

فانی کا غم :۔

فانی کی حیات کا مطالعہ اس امر کو ثابت کرتا ہے، کہ انہوں نے ساری عمر مصیبت میں گزاری۔ فانی نے دل سے جن لوگوں کو عزیز جانا تھا۔ وہ لوگ اُن کی آنکھوں کے سامنے مرتے چلے گئے۔ اس کے بعد دو سال کے اندر اندر والد اور والدہ کا انتقال، دوستوں میں کشن پرشاد اور ان کی بیٹی اور آخر میں ان کی بیوی کا انتقال اُن پر کافی اثر انداز ہوا۔ جو انسان اتنے سارے جنازوں کو دیکھ رہا ہو۔ اُن کے غم کا اندازہ لگانا مشکل ہے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس دور میں اتنے جنازے اُٹھائے لگتا ہے کہ جب میں مرجاؤں تو اُٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا۔"

فانی نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ فسادات کا دور تھا۔ جنگیں تھیں شورش تھی تو اُن کی حیات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور پھر سب سے بڑھ کر اُن کا اپنا مزاج تھا۔ جس نے ان کو غم برتنے پر مجبور کر دے۔ انہی حالات وواقعات سے مجبور ہو کر انھوں نے غم کا ایک مکمل فلسفہ پیش کیا۔

غالبؔ کے ہاں غم اور زندگی لازم وملزوم ہیں میرؔ کے ہاں غم ہی غم تھا لیکن فانی کے ہاں غم کے عناصر اتنے بڑھ گئے کہ لگتا ہے کہ فانی غم کو زندگی قرار دے رہے ہیں۔

میں غم نصیب وہ مجبورِ شوق ہوں فانی
جو نامراد جیے اور امیدوار رہے
مختصر قصۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا
زیست کا حاصل بنایا دل جو گویا کچھ نہ تھا
غم نے دل کو دل بنا یا ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا

غم جاناں:۔

اس میں وہی پرانے عناصر ہیں جس میں محبوب ظالم ہے جس میں محبوب عاشق کی حالت زار پر ترس نہیں کھاتا۔ چونکہ فانی نے خود پے درپے عشق بازیاں کیں اور اُن کی زندگی میں گوہر جانیں اور نور جانیں آئیں۔ شائد اُن کے غم جاناں کو تابانی بخشنے میں اُن طوائفوں کا ہاتھ تھا جن کے ساتھ فانی نے اپنے غم کی کچھ گھڑیاں سرور و راحت میں تبدیل کیں تھیں اور بعد میں بچھڑنا غم برتنے کا سبب بنی وہ محبوب کو ظالم دکھاتا ہے۔

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ
تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو ناں تماشا میرے غم خانے کا

غمِ دوراں:۔

فانی کے یہاں غم کی جو دوسری کیفیت ملتی ہے وہ غمِ دوراں ہیں یہ وہ غم ہے جو آلام روزگار کی دین ہے یہ حقیقت ہے کہ معاشرے کے حالات نے اُن کی طبیعت کو متاثر کیا۔ لیکن وہ اس کو زیادہ نہ پھیلا سکے۔ کیوں کہ اُن کے غم کا نقطۂ نظر اور تھا۔ فانی کا غم ترقی پسندوں کی طرح نہ تھا بل کہ ان کا غم دوراں دوسری کیفیت سے تعلق رکھتا ہے کہ جہاں اُس پر اثر پڑا انہوں نے احتجاج کیا۔

ہر شام شامِ گور ہے ہر صبح صبحِ حشر
کیا دن دکھائے گردش لیل و نہار نے
ہر گھڑی انقلاب میں گزری
زندگی کس عذاب میں گزری

زندگی کس عذاب میں گزری، میں وہ جس عذاب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ معاشرے کی مادی ترقی ہے اور تیز رفتاری ہے۔ جس کا بہ حیثیت شاعر فانی ساتھ نہیں دے سکتا اور

مادی ترقی شاعر کو پیچھے دھکیل دیتی ہے پھر اُس دور کا جو بڑا مسئلہ تھا جس سے فرد متاثر ہو رہا تھا۔ وہ محبت اور اقدار کا تیزی سے فقدان تھا۔ پہلے محبت کی قدر دانی تھی پہلے بے وفائی کا تعلق شرافت سے تھا آج کل مادی ترقی میں بے وفائی کا مسئلہ مادی ترقی ہے کہ انسان بدل رہا ہے۔ شاعر کو دکھ اس بات کا ہے کہ محبتیں مٹ رہی ہیں۔

دیار مہر میں آپ کہتے مہر ہے فانی
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

وطن کا غم:۔

بعض لوگوں کی طبیعت یہ بات گوارہ نہیں کرتی کہ اُن کو اپنے وطن سے دور رکھا جائے۔ فانی کا یہ غم بھی بہت شدید ہے فانی کو وطن چھوڑنے کا سخت غم تھا۔ وہ آخری ایام میں بدایون کو بہت یاد کرتے تھے۔ انہوں نے حیدر آباد میں اپنے ایک شاگرد ماہرؔ سے کہا" ماہرؔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح بدایوں پہنچ جاؤں اور وہیں جا کر مر جاؤں"

فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

وہ وطن واپس آنا چاہتے تھے اس لیے ان کے کچھ اشعار میں" غربت" کا لفظ آ رہا ہے۔

غربت میں سنگ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہے ٹھوکریں میری مشکل جگہ جگہ

غم ہستی:۔

فانی کے یہاں غم کی چوتھی صورت "غم ہستی" کے رنگ میں نظر آتی ہے۔ یہ غم آفاقی اور کائناتی ہے۔ اس غم کو فانی نے ایک فلسفہ کی حیثیت سے پیش کیا وہ غالب کی طرح غم ہستی کے قائل ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ۔

فانی غم ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک میرے مرنے میں تاخیر نظر آئی
فانی کی ذات سے غم ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

فانی نے غمِ ہستی کی تشریح مندرجہ ذیل شعروں میں بھی کی ہے اس میں انہوں نے غم کو اصل کائنات تصور کیا ہے۔

غم اصل کائنات ہے دل جوہر حیات
دل غم سے غم ہے دل سے مقابل جگہ جگہ

فانی غم ہستی کو درد کا خزانہ سمجھتے ہیں،

خدا کی دین نہیں ظرف خلق پر موقوف
یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ ملا

غرض یہ کہ فانی غم ہستی کی تشریح مختلف طریقے سے کرتے ہیں اس طرح وہ غالب کی سرحد میں داخل ہوجاتے ہیں۔

فانی کی شاعری میں مراجعت کا رجحان:۔

ماہرین نفسیات نے مراجعت اس ذہنیت کا نام رکھا ہے جس کا سہارا لے کر انسان اپنے طفلی عہد میں واپس جاتا ہے۔ چوں کہ عہدِ طفلی پرسکوں ہوتا ہے اس لیے انسان مراجعت کے ذریعے سکونِ دل حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے چوں کہ انسان مراجعت کے ذریعے عہد طفلی میں واپس جانا چاہتا ہے۔اس لیے وہ مصائب کے موقع پر گریہ زاری سے مجبور ہے۔فانی نے بھی اپنی شاعری میں مراجعت کا اظہار کیا ہے۔

اُن کے بہت سے اشعار میں گریہ وزاری اور اشک باری کا عالم نظر آتا ہے۔فانی نے مندرجہ ذیل غزل میں گریہ وزاری سے کام لیا ہے۔

کچھ اس طرح تڑپ کر میں بے قرار رویا
دشمن بھی چیخ اُٹھا ، بے اختیار رویا
کیا اُس کو بے قراری یاد آگئی ہماری
مل مل کے بجلیوں سے ابر بہار ، رویا
فانی کو یہ جنوں ہے یا تیری آرزو ہے
کل نام لے کے تیرا بے اختیار رویا

انقطاع کا رجحان:۔

فانی چوں کہ غم والم کے ستائے ہوئے تھے اس لیے ان میں انقطاع پسندی کا رجحان پیدا ہوگیا تھا۔جب کسی انسان کی اس قسم کی ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے۔تو وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلیتا ہے۔وہ سماج سے اپنے تعلقات منقطع کرلیتا ہے۔اس کے بعد وہ گوشہ نشینی کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔اس قسم کے رجحان کا نام نفسیات نے ”شیزوفرینیا“ رکھا اگرچہ فانی جسمانی طور پر دنیا سے کنارہ کش نہیں ہوئے تھے۔مگر ذہنی طور پر اُن کے دماغ میں یہ رجحان موجود تھا جس کا اظہار انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا۔

دنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے
دنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا
اس عمر بیکراں میں ساحل کی جستجو کیا
کشتی کی جستجو کیا ڈوب اور پار کر جا

آزار پسندی:۔

چوں کہ فانی ہمیشہ غم سے ٹکراتے رہے ہیں اس لیے وہ آزار پسند ہوگئے اور ان کو اذیت میں لطف آنے لگا۔اس رجحان کو نفسیات میں آزار پسندی کا رجحان کہتے ہیں۔فانی کے کلام میں آزار پسندی کے بہت سے اشعار ملتے ہیں۔مثلاً فانی غم برداشت کرنے کو تیار ہے مگر اس شرط پر کہ۔

جتنے غم چاہیے دے جا مجھے یا رب لیکن
ہر نئے غم کے لیے تازہ جگر پیدا کر

فانی نے اپنا مذاق اور شیوہ حیات بھی واضح کر دیا۔

مذاق تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا
بغیر مرگ جسے زیست کا مزہ نہ ملا

فانی کے غم کا یہ عالم ہے کہ وہ عمر گزشتہ کے ہر نفس کو میت تصور کرتے ہیں ۔

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

غرض یہ کہ فانی نے ساری زندگی غم برداشت کیے اس غم کا انجام کیا ہوا یہ بھی فانی کی زبانی سن لیجیے ۔

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اُٹھی ہے شمع زندگانی دیکھتے جاؤ

شدت احساس:۔

فانی کی زندگی غم والم کا مجموعہ رہی ہے اس لیے اُن کی شاعری میں شدتِ احساس موجود ہے۔فانی زندگی سے اس قدر اکتا گئے ہیں کہ وہ بار بار موت کو یاد کرتے ہیں اور اس انتظار میں زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں ۔

تو کہاں تھی اے اجل اے نامرادوں کی امید
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

مگر موت تاخیر کر رہی ہے ۔

ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار
کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا

فانی کو موت کی کتنی حسرت ہے ملاحظہ فرمائیے ۔

چمن سے رخصتِ فانی قریب ہے شائد
کچھ اب کے بوئے کفن دامن بہار میں ہے

فانی اپنی زندگی سے عاجز ہیں اس لیے اُن کو زہر کی تلاش ہے ۔

دبی زباں سے مرا حال چارہ ساز نہ پوچھ
بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا

انفرادیت:۔

فانی کی انفرادیت کے بارے میں معروف نقاد قاضی عبدالغفار فرماتے ہیں: ”فانی کی شاعری یکسر فانی ہی کی روح ہے اس شاعری کو فانی کی روح سے الگ کر لیجیے یا فانی کی روح کو اس شاعری سے خارج کر دیجیے (گو کہ یہ دونوں باتیں ممکن نہیں) تو رہ کیا جاتا ہے ان اوراق میں سوائے وحشت زدہ اور ویران خلا کے۔“

قنوطیت ان کی ایک خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت ان کی انفرادیت ہے۔فانی نے جو کچھ کہا وہ گویا اس کی اپنی بات ہے اس کی اپنی واردات ہے آپ بیتی ہے۔

خاک فانی کی قسم ہے تجھے اے دشت جنوں
کس سے سیکھا تیرے ذروں نے بیاباں ہونا

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا
دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا

قاضی صاحب مزید لکھتے ہیں: ”میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر فلسفہ غم سے فانی کے افکار اس قدر متاثر نہ ہوئے ہوتے تو شائد ان کی انفرادیت اس مقام تک نہ پہنچ سکتی جہاں اس کو ہم دیکھ رہے ہیں ۔۔۔۔۔ وہ مردانہ وار مرنے کی عظمت کے قائل ہیں۔“

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا
مردانہ وار جی اور مردانہ وار مرجا

اہل دنیا مجھے سمجھ لیں گے
دل کسی دن ذرا لہو تو کریں

دو گھڑی کے لیے میزان عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

مجموعی جائزہ:۔

بہ قول فراق گورکھپوری: ”فانی نے غم، اور قنوطیت کو نیا مزاج دیا ایک کلچر دیا، انہوں نے غم کو ایک نئی چمکار دی اُسے نرم اور لچک دار اُنگلیوں سے رچایا اور نکھارا اسے نئی لوریاں سنائیں اسے اپنی آواز کے ایک خاص لوچ سے سلایا، اور جگایا، زندگی کے اندر نئی روک تھام نئی تھرتھری پیدا کی۔ نئی چٹکیاں، نئی گدگدی، نئی لرزشیں، نئی سرن اُن کے ہاتھوں سے غم کی دکھی ہوئی رگوں کو ملیں۔“

بہ قول عطا: ”میر کی روح نے غالب کے قالب میں دوبارہ جنم لے کر فانی نام پایا۔“

بہ قول جوش: ”جب ہم فانی کا کلام پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنسوؤں کی ندی کے ساحل پر سنگ موسیٰ کا ایک بڑا مندر ہے جس کے وسط میں غم کی دیوی کا ایک بت رکھا ہوا ہے۔ اور ایک سیاہ پوش برہمن ہے جو دھڑکتے ہوئے دل کی گھنٹی بجا بجا کر پوجا کر رہا ہے۔“

ہمیں ابھی تیرے اشعار یاد ہیں فانی
تیرا نشاں نہ رہا، اور بے نشاں نہ ہوا

آیندہ صفحات پر یاسیت کا امام فانی بدایونی کی منتخب غزلیں نشانِ خاطر کریں۔

ڈاکٹر مُشاہدؔ رضوی (مالیگاؤں)

☆☆☆

موت کی رسم نہ تھی، ان کی ادا سے پہلے
زندگی درد بنائی تھی، دوا سے پہلے

کاٹ ہی دیں گے قیامت کا دن اک اور سہی
دن گزارے ہیں محبّت میں قضا سے پہلے

دو گھڑی کے لئے میزان عدالت ٹھہرے
کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے

تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے
وہ جو معصوم شرارت تھی ادا سے پہلے

دار فانی میں یہ کیا ڈھونڈھ رہی ہے فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے

☆☆☆

☆☆☆

اس کشمکش ہستی میں کوئی راحت نہ ملی جو غم نہ ہوئی
تدبیر کا حاصل کیا کہیے تقدیر کی گردش کم نہ ہوئی

اللہ رے سکونِ قلب اس کا، دل جس نے لاکھوں توڑ دیئے
جس زلف نے دنیا برہم کی وہ آپ کبھی برہم نہ ہوئی

غم راز ہے اُن کی تجلی کا جو عالم بن کر عام ہُوا
دل نام ہے اُن کی تجلی کا جو راز رہی عالم نہ ہوئی

یہ دل کی ویرانی عجب ہے ، وہ بھی آخر کیا کرتے
جب دل میں ان کے رہتے بستے یہ ویرانی کم نہ ہوئی

انسان کی ساری ہستی کا مقصود ہے فانی ایک نظر
یعنی وہ نظر جو دل میں اُتر کر زخم بنی، مرہم نہ ہوئی

☆☆☆

☆☆☆

عشق نے دِل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی
درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی

دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے
دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی

صدقے اُتاریں گے ، اسیرانِ قفس چھوٹے ہیں
بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

آپ سوچا ہی کئے ، اُس سے ملوں یا نہ ملوں
موت مشتاق کو مٹّی میں مِلا بھی آئی

لو ! مسیحا نے بھی ، اللہ نے بھی یاد کِیا
آج بیمار کو ہچکی بھی ، قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے ، سنبھل کر فانی
پیچھے پیچھے وہ دبے پاؤں قضا بھی آئی

☆☆☆

☆☆☆

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

جلوہ محسوس سہی، آنکھ کو آزاد تو کر
قیدِ آدابِ تماشا بھی تو محفل سے اٹھا

پھر تُو مضرابِ جنوں، ساز انالیلیٰ چھیڑ
ہائے وہ شورِ اناالقیس کہ محمل سے اٹھا

اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی
لطفِ سعیِ عمل اس مطلبِ حاصل سے اٹھا

عمر امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم
بارِ فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا

خبر قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں
اک بگولہ بھی نہ خاکِ رہِ منزل سے اٹھا

ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مر جانے کا
دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آسان نہ تھی
زندگی مجھ پہ یہ الزام کہ مشکل سے اٹھا

کس کی کشتی تہ گرداب فنا جا پہنچی
شورِ لبیک جو فانی لبِ ساحل سے اٹھا

☆☆☆

☆☆☆

مجبور شکایت ہوں تاثیر کو کیا کہیے
تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہیے

فردوس بداماں ہے ہر نقشِ خیال ان کا
یہ شانِ تصور ہے تصویر کو کیا کہیے

وابستۂ صد حسرت، بے واسطۂ دل ہوں
اپنا ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہیے

وہ برق کی یورش ہے ہر شاخ میں لرزش ہے
ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہیے

سنتے ہیں حجاب ان کا عرفان تمنا ہے
اب حرفِ تمنا کی تعبیر کو کیا کہیے

☆☆☆

☆☆☆

کارواں گزرا کیا ہم رہگزر دیکھا کیے
ہر قدم پر نقشِ پائے راہبر دیکھا کیے

ترکِ بیداد، آہ! اک تمہید تھی بیداد کی
دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے

درد مندانِ وفا کی ہائے رے مجبوریاں
دردِ دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے

یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں
دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے

رخ مری جانب، نگاہِ لطف دشمن کی طرف
یوں ادھر دیکھا کیے گویا ادھر دیکھا کیے

تو کہاں تھی اے اجل! اے نامرادوں کی مراد!
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

زیست تھی فانی بقدرِ فرصتِ تمہیدِ شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

☆☆☆

☆☆☆

ضبط اپنا شعار تھا، نہ رہا
دل پہ کچھ اختیار تھا، نہ رہا

دلِ مرحوم کو خدا بخشے
ایک ہی غم گسار تھا، نہ رہا

موت کا انتظار باقی ہے
آپ کا انتظار تھا، نہ رہا

اب گریباں کہیں سے چاک نہیں
شغلِ فصلِ بہار تھا، نہ رہا

آ، کہ وقتِ سکونِ مرگ آیا
نالہ نا خوش گوار تھا، نہ رہا

ان کی بے مہریوں کو کیا معلوم
کوئی اُمّیدوار تھا، نہ رہا

آہ کا اعتبار بھی کب تک
آہ کا اعتبار تھا، نہ رہا

کچھ زمانے کو سازگار سہی
جو ہمیں سازگار تھا، نہ رہا

مہرباں، یہ مزارِ فانی ہے
آپ کا جاں نثار تھا، نہ رہا

☆☆☆

☆☆☆

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری اُمیدیں ٹوٹ گئیں، دل بیٹھ گیا، جی چھوٹ گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی، کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آ پہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

کیجیے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گذری چھوٹ گیا

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے، کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

☆☆☆

☆☆☆

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اُس بزم میں ہُشیار ہوا بھی نہیں جاتا

کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا

دشواریِ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا

آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غم خوار ہوا بھی نہیں جاتا

جاتے ہوئے کھاتے ہیں مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا

غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دور
کیا خاکِ رہِ یار ہوا بھی نہیں جاتا

دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا

یہ طرفہ ستم ہے ستم بھی ہے کرم بھی
اب خوگرِ آزار ہوا بھی نہیں جاتا

☆☆☆

☆☆☆

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہے دنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لطف دیکھا اور دیکھو گے
کسی کے عیش مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہے کسی دن خود رلائے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

وہ اٹھا شورِ ماتم آخری دیدارِ میت پر
اب اٹھا چاہتی ہے نعش فانی دیکھتے جاؤ

☆☆☆

☆☆☆

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی
دل کی بستی خراب ہو کے رہی

عشق کا نام کیوں کریں بدنام
زندگی تھی عذاب ہو کے رہی

نگہِ شوق کا حال نہ پوچھ
سر بسر اضطراب ہو کے رہی

چشم ساقی کی تھی کبھی مخمور
خود ہی آخر شراب ہو کے رہی

تابِ نظارہ لا سکا نہ کوئی
بے حجابی، حجاب ہو کے رہی

ہم سے فانی نہ چھپ سکا غمِ دوست
آرزو، بے نقاب ہو کے رہی

☆☆☆

☆☆☆

جمالِ خود رخِ بے پردہ کا نقاب ہوا
نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہوا

ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض
وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرف خواب ہوا

وہ جلوہ مفت نظر تھا، نظر کو کیا کہیے
کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہوا

اُلٹ گئی مری اُمید و بیم کی دنیا
یہ کیا نظامِ تمنّا میں انقلاب ہوا

گناہگار سہی دل مگر قصور معاف
ظہورِ شوق بہ اندازۂ حجاب ہوا

قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیِ مہجور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہوا

☆☆☆

☆☆☆

دنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے
موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں
جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے

عجز گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے
پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے

جان سی شئے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں
آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے

جگ سونا ہے تیرے بغیر، آنکھوں کا کیا حال ہوا
جب بھی دنیا بستی تھی، اب بھی دنیا بستی ہے

آنسو تھے سو خشک ہوئے، جی ہے کہ اُمڈ آتا ہے
دل پہ گھٹا سی چھائی ہے، کھلتی ہے نہ برستی ہے

دل کا اُجڑنا سہل سہی، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

فانی جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوند کو ترستی ہے

☆☆☆

اِک سرگزشتِ غم ہے کہ اب کیا کہیں جسے
وہ وارداتِ قلبِ تمنّا کہیں جسے

اب زندگی ہے نام اُسی اُمّیدِ دُور کا
ٹُوٹے ہوئے دِلوں کا سہارا کہیں جسے

دل حاصلِ حیات ہے اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی، کہ جانِ تمنّا کہیں جسے

کیفیّتِ ظہُور فنا کے سِوا نہیں
ہستی کی اِصطلاح میں دُنیا کہیں جسے

صحرا کا اِجتہاد ہے ذرّے کی ہر نمُود
ذرّے کا اعتبار ہے صحرا کہیں جسے

کیا قہر ہے لطافتِ دل پر گراں نہیں
وہ پیرہن غبارِ تمنّا کہیں جسے

کب تک رہین ذوقِ تماشہ رہے کوئی
اب وہ نِگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

ہے اتّصالِ قطرہ و دریا پہ منحصر
وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

دریوزۂ فنا مِرے مسلک میں ہے حرام
در پردہ زندگی کا تقاضہ کہیں جسے

فانی سکوتِ موت نے دل سے مِٹا دِیا
وہ نقشِ بے قرار کہ دُنیا کہیں جسے

☆☆☆

اُن کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں
شوخی ہے جو بسلسلۂ امتحاں نہیں

دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہُوا سا ہے
اِس طرح وہ عیاں ہیں، کہ گویا عیاں نہیں

نا مہربانیوں کا گِلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں

اب تک لگاوٹیں ہی سہی، لاگ تو نہیں
یہ کیا ہُوا، کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں

بربادِ صد بہار ہُوں، میری نگاہ میں!
جو آشنائے برق نہیں، آشیاں نہیں

ساری ہے دردِ دل مِری رگ رگ میں چارہ ساز
کیا پُوچھتا ہے درد کہاں ہے، کہاں نہیں

کل تک زبانِ خلق پہ ہوگی وہ داستاں
اب تک مِری زبان پہ، جو داستاں نہیں

تیرا کرم کہ تُو نے، وہ دل کو عطا کیا
جو غم، بقدرِ حوصلۂ آسماں نہیں

بجلی کہیں گِری ہو، مگر ہم قفس مجھے
ڈر ہے ، کہ اب کسی نے کہا، آشیاں نہیں

فانی، کوئی غم اور اُٹھائے ہوئے ہے کیا
دل پر ہنوز، بارِ محبّت گِراں نہیں

☆☆☆

بیداد کے خُوگر تھے، فریاد تو کیا کرتے!
کرتے، تو ہم اپنا ہی، کچھ تم سے گلہ کرتے

تقدیرِ محبّت تھی، مر مر کے جئے جانا
جینا ہی مُقدّر تھا، ہم مر کے بھی کیا کرتے

مُہلت نہ مِلی غم سے، اتنی بھی کہ حال اپنا!
ہم آپ کہا کرتے، ہم آپ سُنا کرتے

نادم اُسے چاہا تھا، جاں اُس پہ فِدا کرکے
تدبیر تو اچھّی تھی تقدیر کا کیا کرتے

احباب سے کیا کہیے، اِتنا نہ ہُوا فانی
جب ذکر مرا آتا مرنے کی دعا کرتے

☆☆☆

ہو کاش وفا، وعدۂ فردائے قیامت
آئے گی مگر دیکھئے کب آئے قیامت

اللہ بچائے غمِ فرقت وہ بَلا ہے!
مُنکر کی نِگاہوں پہ بھی چھا جائے قیامت

سُنتا ہُوں کہ ہنگامۂ دِیدار بھی ہو گا
اِک اور قیامت ہے یہ بالائے قیامت

ہم دل کو اِن الفاظ سے کرتے ہیں مُخاطب
اے جلوہ گہِ انجُمن آرائے قیامت

فانی یہ مگر راہِ محبّت کی زمیں ہے
ہر ذرہ میں ہے وسعتِ صحرائے قیامت

☆☆☆

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

حُسن ہے ذات مری، عشق صفَت ہے میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لیے جاتا ہوں
آستانہ ہے حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصّۂ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جانے کا

تم نے دیکھا ہے کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لے جا کے سُلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے متانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملنا تو ہے پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

وحدتِ حُسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

چشمِ ساقی اثرِ مے سے نہیں ہے گل رنگ
دل مرے خون سے لبریز ہے پیمانے کا

لوح دل کو، غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں
کُن ہے اندازِ رقم حُسن کے افسانے کا

ہر نفَس عمرِ گزشتہ کی ہے میّت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

☆☆☆

گُزرے گی اب نہ غم کا مداوا کئے بغیر
بنتی نہیں اَجل سے تقاضہ کئے بغیر

دل کامیابِ شوق ہے بے منّتِ نگاہ
جلوے ہیں دِلفریب تماشا کئے بغیر

اللہ رے اعتمادِ محبّت، کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کئے بغیر

وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جائے نذرِ دوست
دل ہی نہیں ہے اُس کی تمنّا کئے بغیر

مُمکن نہیں ہے راحتِ دنیا کی آرزو
غم پر گُمانِ راحتِ دنیا کئے بغیر

اِس ضبط و احتیاط سے رسوا ہے رازِ عشق
پردے میں حُسنِ دوست ہے پردہ کئے بغیر

لازم سی ہے حیات، کہ فانی مفر نہیں
جینے کی تلخیوں کو گوارہ کئے بغیر

☆☆☆

جانتا ہوں کہ مرا دل مرے پہلو میں نہیں
پھر کہاں ہے جو ترے حلقۂ گیسو میں نہیں

ایک تم ہو تمہارے ہیں پرائے دل بھی
ایک میں ہوں کہ مرا دل مرے قابو میں نہیں

دور صیاد، چمن پاس، قفس سے باہر
ہائے وہ طاقتِ پرواز کہ بازو میں نہیں

دیکھتے ہیں تمہیں جاتے ہوئے اور جیتے ہیں
تم بھی قابو میں نہیں، موت بھی قابو میں نہیں

حیف جس کے لیے پہلو میں نہ رکھا دل کو
کیا قیامت ہے کہ فانی وہی پہلو میں نہیں

☆☆☆

ڈرو نہ تم کہ نہ سُن لے کہیں خدا میری
کہ روشناسِ اجابت نہیں دعا میری

وہ تم، کہ تم نے جفا کی تو کچھ بُرا نہ کِیا
وہ میں، کہ ذکر کے قابل نہیں فغاں میری

چلے بھی آؤ، کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
سُنو، کہ پھر نہ سُنو گے تم التجا میری

کچھ ایسی یاس سے، حسرت سے میں نے دم توڑا!
جگر کو تھام کے رہ رہ گئی قضا میری

خدا نے زہر کی تاثیر بخش دی فانی
ترس گئی تھی اثر کو بہت دعا میری

☆☆☆